امام ترمذی کی معروف اصطلاحات حدیث کا تجزیاتی مطالعہ

Analytical Study of Imam Al-Tirmiḍi's Famous Ḥadith Terminologies

Fahmeeda Bibi
Ph D Scholar, Islamic Studies Department, Mohi-ud-Din Islamic University, Nerian Sharif, Azad Kashmir; fahmeedaabrar3@gmail.com
Hafiz Muhammad Khan
Prof. Islamic Studies Department, Mohi-ud-Din Islamic University, Nerian Sharif Azad Kashmir;hod.isi@miu.edu.pk

Abstract

It is very necessary to comprehend Ḥadiths of Prophet Muhammad (PBUH) to understand Islamic teachings. That is why the corpus of ḥadiths have been preserved through comprehensive research method. Muhaddithin have made relentless efforts to rigorously collect authentic ḥadiths and the Ṣiḥaḥ-e-Sitta is the result of those incessant efforts of pious and meticulous scholars. That is a collection of those six most authentic books of ḥadiths on the veracity of which the whole Ummah has full consensus. Sunan al- Tirmiḍi is one of those authentic books of ḥadith. From a utilitarian point of view, Sunan al- Tirmiḍi is of primary importance. Various terminologies have been used in it, which are usually used in legal examination. Imam Tirmiḍi has adopted a unique way of excellent explaining those terms in his book. Terms like Ṣaḥiḥ, Ḥasan, and Dhaeef (weak) have been explained in Sunan al-Tirmidhi, due to which the weight and strength of ḥadith can be easily judged. Imam Tirmiḍi also explains the names, titles, and patronymic (Kuniat) of the narrators along with famous circumstances of their time. In this study, an introductory but critical analysis of those terminologies has been presented with examples. The purpose of the study is to analyze how Imam Tirmiḍi has utilized these terminologies in his magnum opus.

Key Word: Islam, Ḥadith, Sunan-al-Tirmiḍi, Ḥadith Terminology, Imam al-Tirmiḍi.

حدیث کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث مبارکہ دراصل قرآن کریم کی عملی تفسیر ہے۔ احادیث کو جمع کرنے کے لیے محدثین نے بہت محنت کی ہے، جس کا ثمرہ صحاح ستہ کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے۔ صحاح ستہ احادیث کی وہ چھ مستند کتب ہیں، جن پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ صحاح ستہ کی ترتیب کے لحاظ سے جامع ترمذی سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کے بعد آتی ہے۔ لیکن اس کی حسن ترتیب کی وجہ سے اسے عام طور پر صحیح مسلم اور صحیح بخاری کے بعد کا درجہ حاصل ہے۔[1] جامع ترمذی میں ایسے فقہی اور دیگر فوائد ہیں جو کسی اور کتب احادیث میں نہیں ہیں۔ امام ترمذی نے جامع ترمذی میں جو اصطلاحات استعمال کی ہیں ان سے پہلے کسی نے استعمال نہیں کی۔ یہ وہ اصطلاحات ہیں جو عموماً علم جرح وتعدیل میں استعمال ہوتی ہیں۔ امام ترمذی نے جامع ترمذی میں منفرد اسلوب اپنا کر اصطلاحاتِ حدیث کو عمدہ طریقے سے واضح کیا ہے۔ جامع ترمذی میں احادیث کی اصطلاحات یعنی صحیح، حسن، اور ضعیف وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے احادیث کی صحت اور قوتِ سند کا بخوبی علم ہو جاتا ہے۔ ان اصطلاحات سے جامع ترمذی کی خصوصیات میں اضافہ ہوا ہے۔

امام ترمذی کا تعارف

ان کا نام محمد، کنیت ابو عیسیٰ، والد کا نام عیسیٰ اور سلسلہ نسب محمد بن عیسی بن سَورۃ بن موسیٰ بن الضحاک، نسبت: ترمذی، بوغی، سُلمی[2] ہے۔ آپ ۲۰۹ھ میں شہر ترمذ میں پیدا ہوئے۔ ترمذ، ایک قدیم شہر ہے جو دریائے جیحوں کے ساحل پر واقع ہے۔[3] لفظ ترمذ میں اختلاف ہے۔ یہ لفظ تِرمذ ہے یعنی ت کے زیر کے ساتھ ہے اور بعض کے نزدیک یہ زبر کے ساتھ ہے۔ اور بعض اسے پیش کے ساتھ بولتے ہیں۔ ترمذ روسی ترکستان کا ایک شہر ہے۔ جو امور

---

[1]۔ عبد المعبود، محمد، تذکرہ مصنفین صحاح ستہ، مکتبہ رحمانیہ، ۲۰۰۸ء، ص: ۴۰۸

[2]۔ ابن کثیر، ابو الفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر الدمشقی، البدایہ والنھایہ، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ۱۹۸۸ء، ص: ۱۱/ ۷۷

[3]۔ المزی، ابو الحجاج یوسف بن الزکی عبد الرحمان، تہذیب الکمال، مؤسسۃ الرسالہ بیروت، لبنان، ۱۴۰۰ھ، ص: ۲۵/۶

دریا کے شمالی کنارے پر واقع ہے۔[4] آپ اصلاً اسی گاؤں کے باشندے تھے اور قبیلۂ بنو سُلیم سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے سُلمی، ترمذی اور بوغی کہلاتے ہیں۔ شہر ترمذ سے چند فرسخ پر بوغ نامی گاؤں ہے۔[5]

آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز ۲۲۰ھ میں کیا ہے۔ امام ترمذی نے ابتدائی تعلیم ترمذ میں ہی حاصل کی۔ اور اس کے بعد علوم متداولہ حاصل کرنے کے لیے مختلف اسلامی ممالک کے سفر اختیار کیے۔[6] علم حاصل کرنے کی غرض سے خراسان، عراق، اور حجاز کے بہت سے اسفار کئے۔ اپنے وقت کے جلیل القدر فقہاء سے علم حاصل کیا۔ امام مسلم سے آپ کی ملاقات ہوئی لیکن ان کے حوالے سے صرف ایک روایت اپنی کتاب میں لائے اور ایسے ہی امام ابو داؤد سے ایک روایت لائے ہیں۔ امام ترمذی امام بخاریؒ کے سب سے مشہور تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ خود امام بخاری ان کے حق میں کلمات نقل کرتے ہیں۔ محدثین ان کو امام بخاری کا خلیفہ کہتے ہیں۔ ان کے افتخار کے لیے یہ کافی ہے کہ امام بخاری نے ان سے روایت کی ہے۔[7] آپ کے شیوخ کی تعداد دو سو کے قریب ہے۔

جامع الترمذی کا مختصر تعارف

صحیحین کے بعد جامع الترمذی کا مقام ہے اسی لیے تو اس کو جامع کہتے ہیں جو بیک وقت جامع[8] اور سنن[9] ہے۔ جامع ترمذی میں دونوں باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ جامع ترمذی فوائد کے اعتبار سے ایک ممتاز مقام و مرتبہ رکھتی ہے۔ جامع ترمذی کی افادیت دیگر کتب احادیث سے زیادہ ہے کیونکہ جامع ترمذی سے ہر انسان آسانی سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ایک اہم بات جو امام ترمذی نے اہتمام کیا ہے وہ یہ ہے کہ حدیث بیان کرنے کے بعد صحابہ اور ائمہ مجتہدین کا موقف بیان کرتے ہیں کہ اس حدیث پر کن کن حضرات کا عمل رہا ہے۔ حدیث کا مقام صحیح، حسن، مشہور، غریب

---

[4] ۔ عبد العزیز، شاہ، محدث دہلوی، بستان محدثین، دار المعارف کراچی، ۲۰۰۹ء، ص:۲۱۰

[5] ۔ السمانی، ابو سعید عبد الکریم بن محمد بن منصور التمیمی، الانساب، مکتبہ القاہرہ مصر، ۱۹۸۹ء، ص:۲/۲۵

[6] ۔ مصطفیٰ حسنی، اسلام میں سنت و حدیث کا مقام، مکتبہ بنوریہ کراچی، ۲۰۰۱ء، ص:۴۱۹

[7] ۔ بدر عالم، محمد، ترجمان السنہ، دار المعارف کراچی، ۱۹۹۹ء، ص:۱/۲۶۳

[8] ۔ جامع: محدثین کی اصطلاح میں جامع اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں جمیع اقسام حدیث پائے جائیں۔ جنہیں اقسام ثمانیہ کہا جاتا ہے سیر، آداب، تفسیر و عقائد، فتن، اشراط، احکام و مناقب۔

[9] ۔ سنن: کتاب الطہارۃ سے کتاب الوصایا تک ترتیب فقہی پر احادیث کے مجموعہ کو "سنن" کہتے ہیں۔

اور ضعیف وغیرہ بھی بیان کرتے ہیں اور ایک مسئلہ پر باب میں جو حدیث بیان کرتے ہیں اس کا متعلقہ حصہ ہی بیان کرتے ہیں ساری حدیث نہیں بیان کرتے اور مخالف و موافق دونوں طرح کی احادیث بیان کرتے ہیں، نیز وفی الباب کہہ کر اس باب میں جتنے صحابہ سے روایت ہے ان کا ذکر کرتے ہیں۔ الغرض جامع ترمذی میں حسن ترتیب اور عدم تکرار ہے۔ مذاہب ائمہ اور وجود استدلال کے ذکر اور احوال رواۃ کے بیان میں یہ کتاب سب سے انفرادی مقام رکھتی ہے۔

امام ترمذی کی مشہور اصطلاحات

امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی کتاب جامع ترمذی میں احادیث کے روایت کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے آخر میں اکثر ان کا حکم بھی بیان کرتے ہیں جو مختلف اصطلاحات حدیث سے تعلق رکھتی ہیں اس بارے میں امام ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"اعلم أن الترمذي خرج في كتابه الصحيح والحسن والغريب. والغرائب التي خرجها فيها بعض المنكر، ولا سيما في كتاب الفضائل، ولكنه يبيّن ذلك غالباً، ولا أعلم أنه خرج عن متهم بالكذب، متفق على اتهامه بإسناد منفرد، نعم قد يخرج عن سيئ الحفظ، ومن غلب على حديثه الوهن، ويبيِّن ذلك غالباً، ولا يسكت عنه"[10] یہ بات جان لیں کہ امام ترمذی رحمہ اللہ اپنی کتاب میں صحیح، حسن اور غریب احادیث لائے ہیں اور جو غریب احادیث ہیں لائے ہیں ان میں سے بعض منکر بھی ہیں، خصوصاً کتاب الفضائل میں، لیکن غالباً وہ (اس کا ضعف یا نکارت) خود ہی بیان کر دیتے ہیں۔ اور میرے علم میں نہیں کہ وہ ایک بھی ایسے انفرادی سند کے ساتھ متہم بالکذب کی روایت لائے ہوں کہ جس کے اتہام پر اتفاق ہو۔ ہاں البتہ وہ بعض سیئ الحفظ اور جن کی روایت میں کمزوری کا غلبہ ہو کی روایت لائے ہیں، لیکن غالباً وہ خود اسے بیان فرما دیتے ہیں اور اس پر خاموشی اختیار نہیں فرماتے۔"

ان اصطلاحات میں سے چند اصطلاحات کا جائزہ سطور ذیل میں دیا گیا ہے۔

1۔ھذا حدیث حسن

"حسن" حدیث کے مبحث میں امام ترمذی رحمہ اللہ کی اصطلاح "حسن" ایک معرکۃ الآراء قول کی حیثیت رکھتی ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی اصطلاح "حسن" کے بارے میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں:

10- ابن رجب، عبد الرحمان بن احمد بن رجب، شرح علل الترمذی، دار السلام ریاض، ۲۰۰۸ء، ص: ۲/ ۶۱۱

وَمَا ذَكَرْنَا فِي هٰذَا الْكِتَابِ : حَدِيثٌ حَسَنٌ ، فَإِنَّمَا أَرَدْنَا بِهِ حُسْنَ إِسْنَادِهِ ، عِنْدَنَا كُلُّ حَدِيثٍ يرْوىٰ،لَا يكُونُ فِي إِسْنَادِهِ مَنْ يتَّهَمُ بَالْكِذْبِ، وَلَا يكُونُ الْحَدِيثُ شَاذًّا، وَيُرْوىٰ مِنْ غَيرِ وَجْهٍ نَحْوَ ذَاکَ فَهُوَ عِنْدَنَا حَدِيثٌ حَسَنٌ۔[11] ہم نے اس کتاب میں حدیثِ حسن کی جو اصطلاح ذکر کی ہے، اس سے مراد سند کا حسن ہونا ہے۔ ہمارے نزدیک ہر وہ حدیث جس کی سند میں نہ کوئی راوی متہم بالکذب ہو نہ وہ حدیث شاذ ہو، نیز وہ اسی طرح کی اور سند سے بھی مروی ہو، وہ حدیث حسن ہے۔

اس تعریف میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی اصطلاح "حسن" میں تین شرائط ذکر کی ہیں: 1-اس کی سند میں کوئی متہم بالکذب راوی نہ ہو۔2-وہ حدیث شاذ نہ ہو۔ 3-اس کی سندیں ایک سے زائد ہوں۔ تیسری شرط کے بارے میں اختلاف واقع ہوا ہے کہ اس میں مذکور ایک سے زائد سندوں کا کیا مطلب ہے؟ بعض حضرات کے مطابق اس سے مراد کسی حدیث کی ایک سے زائد ایسی کمزور سندیں ہیں اور ان زیادہ سندوں کی وجہ سے وہ حدیث قابل حجت "حسن" بن جاتی ہے۔ لیکن یہ بات درست نہیں کیونکہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے جو منہج جامع ترمذی میں "حسن" کے حوالے سے اپنایا ہے، وہ بھی اس نظریے کو سختی سے مسترد کرتا ہے۔ دراصل امام ترمذی کی ایک خاص اصطلاح ہے جو عام محدثین سے مختلف ہے۔ تعریف میں عِنْدَنَا (ہمارے نزدیک) کے الفاظ اس بات کی واضح دلیل ہے۔ اگر اس سے محدثین کرام والی "حسن" جو کہ قابل حجت ہوتی ہے، مراد ہوتی تو اس تعریف میں اپنے لیے خصوصیت کا تذکرہ نہ ہوتا بلکہ سرے سے اس وضاحت کی ہی ضرورت نہ ہوتی۔

حسن وہ حدیث ہے جس کا کوئی راوی متہم نہ ہو، وہ روایت شاذ نہ ہو، اور متعدد طرق سے مروی ہو۔[12] لیکن ایک جگہ اس کا قول یوں نقل ہوتا ہے کہ امام ترمذی نے حسن کی محض ایک قسم کو بیان کیا ہے۔ اس کی صراحت امام ترمذی نے کتاب العلل میں کر دی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امام ترمذی کی خاص اصطلاح ہے۔ جمہور کے قول کے مطابق بھی حسن اور صحیح کے اجماع میں کوئی اشکال نہیں، کیونکہ ایک حدیث ایک محدث کی تحقیق میں صحیح اور دوسرے کے نزدیک حسن ہے یا اس کے برعکس ہے۔ اس طرح ایک شخص کے نزدیک حسن لذاتہ ہے اور دوسرے کے

---

[11]۔ العلل الصغیر للترمذی مندرجۃ فی آخر جامع الترمذی: طبع دار السلام الریاض، ص:۸۹۸

[12]۔ ترمذی، امام، کتاب العلل، دائرۃ المعارف مصر، ۱۹۹۹ء، ص:۲۴۰

نزدیک حسن لغیرہ یا ایک حدیث دو اسانید سے مروی ہے۔ ایک کے اعتبار سے حسن اور ایک کے اعتبار سے صحیح ہو۔[13]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ عموماً ایک حدیث کی سند میں مجتہد کو تردد ہوتا ہے کہ راوی میں شرائط حسن کے ہیں یا پھر صحیح کے۔ پس مجتہد نے دونوں کو بیان کر دیا اور کثرت استعمال کی وجہ سے راوی گر گیا۔ حالانکہ اصل عبارت یوں ہے، حدیث حسن او صحیح ہے۔[14]

امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں: "واول ما اعرف أنه قسم الحديث ثلاثة اقسام صحيح وحسن وضعيف هو ابو عيسى الترمذي في جامعه"[15] سب سے پہلے امام ابو عیسی ترمذی نے حدیث کی تین اقسام صحیح وحسن وضعیف بیان کی ہیں۔

گویا حدیث حسن امام ترمذی کی ایجاد ہے ان سے پہلے جو محدثین تھے وہ حدیث کی دو قسمیں صحیح اور ضعیف بتاتے تھے۔ تاہم میری رائے میں امام ابن تیمیہ کی یہ بات نظر سے خالی نہیں اس لیے کہ امام ترمذی کے استاد حضرت امام بخاری اور دوسرے محدثین جو امام ترمذی سے پہلے کے ہیں انہوں نے بعض حدیث پر حسن کا حکم لگایا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام علی بن مدینی عموماً احادیث پر صحیح کا حکم لگاتے ہیں، بظاہر وہ حدیث حسن کے موجد ہے۔ ان سے یہ اصطلاح امام بخاری کرتے اور امام بخاری سے امام ترمذی نے اخذ کی۔[16] مثلاً ان الرسول صلى الله عليه وسلم قال من زرع فى أرض قوم بغير إذنهم فليس له من الزرع شيء، وله نفقته ،سالت محمد بن اسماعيل عن هذا الحديث فقال هو حديث حسن [17] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کسی نے دوسرے لوگوں کی زمین میں ان کی اجازت کے بغیر زراعت کی تو اسے اس زراعت میں سے کوئی حصہ نہیں ملے گا اسے صرف وہ اخراجات ملیں گے جو اس نے خرچ کئے۔

---

[13]۔ ندوی، تقی الدین، محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، ناظم آباد کراچی، ۲۰۰۶ء، ص: ۲۱۴

[14]۔ عسقلانی، ابن حجر، شرح نخبۃ الفکر، تاج کتب خانہ کراچی، ۲۰۰۱ء، ص: ۲۴

[15]۔ ابن تیمیہ، عبد الرحمان بن محمد بن قاسم، مجموع الفتاویٰ، دار المعارف کراچی، ۱۹۷۷ء، ص: ۱/ ۲۵۱

[16]۔ عسقلانی، ابن حجر، النکت علی الکتاب ابن الصلاح، الجامع الاسلامیہ مدینہ منورہ، ۱۹۸۴ء، ص: ۱/ ۳۲۶

[17]۔ ایضاً

البتہ امام ترمذی یہ اصطلاح بہت استعمال کرتے ہیں اس لیے ابن صلاح فرماتے ہیں۔"كتاب ابی عيسى الترمذی اصل فی معرفة الحديث الحسن"[18] امام ابو عیسی ترمذی کی کتاب حدیث حسن کی معرفت کے حوالے سے اصل کا درجہ رکھتی ہے۔

مثال

عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ: قَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْعُودٍ: أَلاَ أُصَلِّي بِكُمْ صَلاَةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَصَلَّى، فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلاَّ فِي أَوَّلِ مَرَّةٍ.وَفِي البَابِ عَنِ البَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ. حَدِيثُ ابْنِ مَسْعُودٍ حَدِيثٌ حَسَنٌ. [19] علقمہ کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: 'کیا میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کی طرح نماز نہ پڑھاؤں؟ تو انہوں نے نماز پڑھائی اور صرف پہلی مرتبہ اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے۔ اس باب میں براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے بھی حدیث آئی ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث حسن ہے۔

جب امام ترمذی کسی حدیث کے ساتھ صرف "حسن" لکھتے ہیں تو صحیح یا غریب کے الفاظ "حسن" کے ساتھ مستعمل نہیں ہوتے، تو اس وقت امام ترمذی کی مراد اس حدیث سے وہ روایت ہوتی ہے جو شاذ نہ ہو، اس کے راوی متہم بالکذب نہ ہو اور طرق متعددہ سے منقول ہو۔

2۔ھذا حدیث صحیح حسن

امام ترمذی نے یہاں حسن اور صحیح کو جمع کر دیا ہے، حسن حدیث کا صحیح حدیث کے مقابلے درجہ کم ہوتا ہے۔ یہ جمع قابل اعتراض ہے اس لیے کہ صحیح اور حسن میں تضاد ہے۔ شارحین نے اس کے مختلف جوابات دیے ہیں۔

---

[18]۔ابن اصلاح، ابو عمر بن عثمان بن عبد الرحمن، مقدمہ ابن اصلاح، دار الفکر معاصر، بیروت، ۱۹۸۶ء، ص:۱۲ (حسن کی دو قسمیں ہیں: ۱-حسن لذاتہ ۲-حسن لغیرہ: حسن لذاتہ: وہ حدیث جس میں کوئی ایک راوی ضعیف الضبط ہو، لیکن صحیح کی دوسری شرائط بدستور اس میں موجود ہوں۔ حسن لغیرہ: وہ ضعیف حدیث جو طرق متعدد سے مروی ہو اور اس کا کوئی متابع موجود نہ ہو۔ الشیخ عبد الفتاح، ابو غدہ، اعلاء السنن، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی، ۱۴۱۸ھ، ص:۶۳

[19]۔ترمذی، امام، جامع ترمذی، الباب عن البراء بن عازب، اسلامی کتب خانہ لاہور، حدیث:۲۵۷، ص:۵/۲۱۰

یہاں صحیح اور حسن کے اصطلاحی معنی مراد نہیں ،بلکہ لغوی معنی مراد ہیں یعنی "ما تمیل الیه النفس و تستحسنه"[20] ۔لیکن یہ جواب درست نہیں ہے۔

1- آپ ﷺ کی ہر حدیث ایسی ہوتی ہے جس کو نفس پسند کرتا ہے پھر امام ترمذی کا ھذا حدیث حسن صحیح کہنے کا کیا فائدہ۔

2- اگر معنی لغوی مراد لیا جائے تو یہ بات موضوع اور ضعیف احادیث پر بھی صادق آئے گی۔[21] کیوں کہ جو آدمی موضوع یا ضعیف حدیث بناتا ہے تو وہ اس کا مضمون اچھا ہی بناتا ہے اور امام ترمذی موضوع اور ضعیف کے لیے یہ عنوان استعمال نہیں کرتے۔

3- یہ کتاب حدیث کی ہے اور باقی تمام اصطلاحات محدثین کی استعمال کر رہے ہیں پھر حسن صحیح اصول کے خلاف ہے۔[22]

4- حافظ ابن کثیر نے فرمایا کہ حسن اور صحیح کے درمیان ایک متوسط درجہ ہے جسے حسن نہیں کہتے یعنی وہ روایت جس کے راوی میں ضبط کا نقصان اتنا نہ ہو جتنا حسن کے راوی میں ہوتا ہے اور اتنا کمال بھی نہ ہو جتنا صحیح کے راوی میں ہوتا ہے یعنی بین بین ہو۔[23]

حافظ ابن حجر اپنی کتاب میں اس طرح مرتب کرتے ہیں کہ جب کسی حدیث پر حسن اور صحیح کا اکٹھا حکم لگایا جائے تو اس سے تردد حاصل ہوتا ہے کہ اس میں صحیح کی شروط پائی جاتی ہیں یا اس سے کم شروط، لہٰذا ایسی حدیث کے بارے میں مجتہد دو اوصاف میں سے ایک وصف لگاتا ہے۔ اگر اس میں تفرد پایا جاتا ہو تو وہ حدیث باعتبار وصف کے ایک قوم کے نزدیک وہ حسن اور ایک قوم کے نزدیک صحیح ہوتی ہے۔ تو ان دونوں قوموں کے حکم کو اکٹھا کرنے کے لیے حسن صحیح کہا گیا ہے۔ اور ان کے درمیان "او" حروف عطف محذوف ہے۔ اصل میں یہ عبارت حسن او صحیح

[20] ۔ گنگوہی، رشید احمد، الکواکب الدری، مکتبہ الشیخ کراچی، ص:۱/۳۱

[21] ۔ ابن اصلاح، مقدمہ ابن اصلاح، ص:۱۹

[22] ۔ گنگوہی، رشید احمد، الکواکب الدری، ص:۱/۳۱

[23] ۔ ابن کثیر، ابو الفدا عماد الدین اسماعیل بن عمر، الباعث الحثیث فی اختصار علوم الحدیث، المعارف الریاض، ۱۹۹۶ء، ص:۳۶

ہے۔اور اس کے حکم میں تردد ہونے کی وجہ سے یہ صحیح سے کم درجے کی رہ جاتی ہے۔اور اگر اس حدیث میں تفرد نہ ہو تو پھر اس کی دو اسناد ہوں گی ایک سند کے اعتبار سے وہ حسن اور ایک سند کے اعتبار سے وہ صحیح ہوگی۔[24]

مذکورہ بالا تعریفات سے واضح ہوتا ہے کہ علماء نے امام ترمذی کے مفہوم کو سمجھنے کے لئے اپنے اپنے جوابات دیئے ہیں۔لیکن یہ جوابات حرف آخر نہیں ہوسکتے کیونکہ کہ ان کی توجیہات پر امام ترمذی کی طرف سے کوئی نص موجود نہیں۔البتہ کسی ایک کو دوسرے کے مقابلے میں راجح کیا جاسکتا ہے۔

مثال

حدثنا احمد بن منيع , وعلي بن حجر , قالا: حدثنا إسماعيل ابن علية، عن ابي ريحانة، عن سفينة، ان النبي صلى الله عليه وسلم كان " يتوضا بالمد ويغتسل بالصاع". قال: وفي الباب عن عائشة , وجابر , وانس بن مالك. قال ابو عيسى: حديث سفينة، حسن صحيح[25] احمد بن منیع اور علی بن حجر کہتے ہیں ہمیں اسماعیل بن علیۃ نے ابی ریحان سے انہوں نے سفینہ سے بیان کیا کہ نبی ﷺ مد سے وضوء کرتے تھے اور صاع سے غسل اور اس باب میں عائشہ اور جابر اور انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے بھی یہ مروی ہے ابو عیسی نے کہا کہ حدیث سفینہ حسن صحیح ہے۔

اس مثال میں ہمیں یہ واضح ہوتا ہے امام ترمذی بعض احادیث کو حسن اور صحیح دونوں اصطلاحات کے ساتھ بیان کرتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حدیث ایک محدث کے نزدیک حسن ہے اور کسی دوسرے کے نزدیک صحیح کا درجہ رکھتی ہے۔

3۔هذا حديث حسن غريب

امام ترمذی جب کسی حدیث پر حسن غریب کا حکم لگاتے ہیں تو ایک بہت بڑا اشکال ذہن میں آتا ہے۔ وہ اس لئے کہ امام ترمذی کے نزدیک حسن حدیث وہ ہے جو متعدد طرق سے مروی ہو جب کہ غریب حدیث وہ ہے جس کو روایت کرنے والا راوی ایک ہو۔تو اس طرح جو حدیث متعدد طرق سے مروی ہو تو اس کو غریب کیوں کہا گیا۔تو ان اشکالات کے جوابات یوں بیان کئے گئے جو مندرجہ ذیل ہیں:

---

[24]۔عسقلانی،ابن حجر،نزہتہ النظر فی توضیع نخبۃ الفکر،دار الماثور للنشر والتوزیع ریاض،ص:۸۱

[25]۔ترمذی،امام،جامع ترمذی،حدیث:۳۳۲،ص:۵/۲۱۱

ا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اس کو یوں بیان کرتے ہیں کہ حسن غریب کا اکٹھا حکم لگانے سے مراد غریب الاسناد نہ کہ متن غریب ہے۔ اس طرح حسن غریب سے مراد ہو گا کہ یہ حدیث متن کے اعتبار سے حسن اور سند کے اعتبار سے غریب ہو گی۔[26]

محدث دہلوی اپنی کتاب میں اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ تعدد طرق مطلق طور پر حسن پر ضروری نہیں بلکہ یہ حسن کی ایک مطلوب قسم ہے۔ (جو امام ترمذی کے نزدیک ہے) اور جب حسن اور غریب کا اکٹھا حکم لگایا جائے گا تو وہ حسن کی دوسری قسم مراد ہو گی۔ (جو جمہور کے نزدیک حسن ہے) بعض نے کہا کہ اس حکم سے اختلاف طرق کی طرف اشارہ ہے۔ بعض طرق سے یہ حدیث حسن اور بعض طرق سے یہ حدیث غریب ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ یہاں واو بمعنی او ہے لہٰذا عدم معرفت کی وجہ سے تردد ہے کہ یہ حدیث حسن ہے یا غریب اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں حسن سے مراد اصطلاحی معنی نہیں بلکہ لغوی معنی ہے۔ کہ حسن وہ ہے جس کی طرف طبعیت کا میلان ہو۔ لیکن یہ قول بہت بعید ہے۔[27]

4- هذا حديث حسن صحيح غريب

امام ترمذی جب کسی حدیث پر حسن، صحیح اور غریب تینوں حیثیتوں کا حکم لگاتے ہیں، تو اس میں صحیح سے مراد وہ ہے جو جمہور کے نزدیک صحیح ہے اور حسن سے مراد وہی ہے جو جمہور کے نزدیک حسن ہے اور غریب سے بھی مراد وہی ہے جو جمہور کے نزدیک غریب کی ہے۔ تاہم ان تینوں اوصاف کو ایک ہی حدیث کے حکم میں جمع کرنے کا مفہوم سمجھنے کے لیے تمام توجیہات کا خیال رکھنا ہو گا۔ اور مذکورہ اختلاف کو مد نظر رکھنا انتہائی ضروری ہے۔[28]

مثال

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَكِنَّ التَّوْبَةَ مَعْرُوضَةٌ وَفِي الْبَاب عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَائِشَةَ

---

[26]۔ عسقلانی، ابن حجر، النکت کتاب علی ابن الصلاح، ص:۱/ ۳۷۵

[27]۔ محدث دہلوی، عبد الحق، مقدمہ فی الاصول الحدیث،، دار المعارف کراچی، ۲۰۰۹، ص:۸۱

[28]۔ ابن الصلاح، مقدمہ ابن الصلاح، ص:۳۵-۳۶

وَعَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ أَبِي هُرَيْرَةَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ غَرِيبٌ[29] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کوئی زانی مومن ہونے کی حالت میں زنا نہیں کرتا اور کوئی چور مومن ہوتے ہوئے چوری نہیں کرتا، لیکن توبہ قبول ہوتی ہے۔ اس باب میں حضرت ابن عباس، عائشہ، عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی روایت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث اس سند سے حسن صحیح غریب ہے۔

حالانکہ کسی ایک حدیث میں ان تینوں اوصاف یا ان دونوں کا اجماع نہیں ہو سکتا۔ یہ اشکال اس وقت پیدا ہو گا۔ جب حدیث کی مشہور اصطلاحی تعریف لی جائے لیکن امام ترمذی خود مجتہد تھے۔ چنانچہ حدیث حسن کی تعریف جمہور کے خلاف یوں کی ہے۔[30]

شیخ محدث عبدالحق دہلوی فرماتے ہیں جس طرح حسن اور صحیح کے اجماع میں کوئی دشواری نہیں ہے، اس طرح غریب اور حسن کے اجماع میں بھی کوئی اشکال نہیں۔ اس لئے امام ترمذی نے حسن کی تعریف میں تعدد طرق کا لحاظ کیا ہے۔ جو ان کی اپنی اصطلاح ہے۔ پس جہاں وہ "حسن غریب" کہتے ہیں۔ تو وہاں ان کی مراد حسن ہوتی ہے۔[31]

5۔ھذا حدیث غریب الاسناد

یہ حدیث سند کے اعتبار سے غریب ہے نہ کہ متن کے اعتبار سے یعنی اس کا متن معروف و مشہور ہے لیکن روایت کرتے وقت اس کی سند میں غربت آگئی۔

مثال

حدثنا قتيبة حدثنا رشدين بن سعد عن عبد الرحمن بن زياد بن أنعم عن عتبة بن حميد عن عبادة بن نسي عن عبد الرحمن بن غنم عن معاذ بن جبل رضي الله عنه قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم إذا توضأ مسح وجهه بطرف ثوبه،هذا حديث غريب بوج إسناده [32]

---

[29]۔ ترمذی، امام، جامع ترمذی، ایمان کا بیان، حدیث:۵۳۳، ص:۲/۲۱۳

[30]۔ عثمانی، محمد نسیم، پروفیسر، گلدستہ حدیث، دارالاسلام لاہور، ۲۰۰۹ء، ص:۲۳

[31]۔ محدث دہلوی، عبدالحق، اشعۃ اللمعات، دارالمعارف کراچی، ۲۰۰۲ء، ص:۲۱

[32]۔ الراجحي، عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمن، شرح جامع ترمذی، الباب ماجاء فی التمندل بعد الوضوء، مکتبہ بیروت لبنان ص:۶/۵

اس حدیث میں رشدین بن سعد اور عبد الرحمن بن زیاد اس روایت میں ضعیف راوی ہیں اور ہر دور میں اس کو ایک راوی نے روایت کیا اس وجہ سے اس کی سند میں غربت ہے۔

6۔هذا حديث غريب من هذا الوجه

یعنی یہ حدیث اس سند کے لحاظ سے غریب جب کہ اس کا متن مشہور ہے۔ ھذا حدیث غریب الاسناد اور ھذا حدیث غریب من ھذا الوجہ کا معنی و مفہوم ایک جیسا ہی ہے۔[33]

مثال

حدیث کو بیان کرنے کے بعد امام ترمذی بتاتے ہیں کہ یہ حدیث کس وجہ سے غریب ہے چنانچہ وضوء کے بیان میں محمد بن حمید الرازی سے بیان کرتے ہیں کہ

حدثنا محمد بن حميد الرازي حدثنا سلمة بن الفضل عن محمد بن إسحاق عن حميد عن أنس رضي الله عنه: أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يتوضأ لكل صلاة طاهراً أو غير طاهر، قال: قلت لأنس: فكيف كنتم تصنعون أنتم؟ قال: كنا نتوضأ وضوءاً واحداً،قال أبو عيسى: وحديث حميد عن أنس حديث غريب من هذا الوجه، والمشهور عند أهل الحديث حديث عمرو بن عامر الأنصاري عن أنس رضي الله عنه.وقد كان بعض أهل العلم يرى الوضوء لكل صلاة استحباباً، [34]

ہم سے محمد بن حمید الرازی نے بیان کیا، ہم سے سلمہ بن فضل نے محمد بن اسحاق سے انہوں نے حمید سے انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے کہ بے شک نبی ﷺ ہر نماز کے لئے وضوء کرتے تھے چاہے پاک ہوتے یا نہ ہوتے۔ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ لوگ کیسے کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ ہم ایک ہی وضوء کرتے تھے۔ ابو عیسی کہتے ہیں کہ حمید کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ حدیث اسی وجہ غریب ہے۔ اور حدیث کے ماہرین کے ہاں عمرو بن عامر انصاری کی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مشہور ہے اور کچھ اہل علم کی رائے ہے ہر نماز کے لئے تازہ وضوء کرنا مستحب ہے۔

---

[33]۔ ذہبی، شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان، تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر، دار العربی الکتاب، بیروت لبنان، ۱۹۸۷ء، ص:۲۰/ ۴۲۳

[34]۔ الراجحي، عبد العزیز بن عبد اللہ بن عبد الرحمن، شرح جامع ترمذی، الباب ماجاء فی الوضوء لکل الصلاۃ ص:۳/ ۱۰

7۔هذا حديث مرسل

"ھذا حدیث مرسل" مرسل حدیث محدثین کی اصطلاح میں اس حدیث کو کہتے ہیں، جس میں تابعی رسول اللہ ﷺ سے حدیث روایت کرتا ہے اور صحابی کا نام نہیں لیتا۔ لیکن امام ترمذی نے مرسل کو منقطع کے معنی میں بکثرت استعمال کیا ہے۔ تو جہاں یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مرسل ہے تو زیادہ تر جگہوں میں اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ حدیث منقطع ہے۔ اور محدثین نے بھی لفظ مرسل کو منقطع کے معنی میں لیا ہے۔

مثال

عن ابي جهضم، عن ابن عباس " انه راى جبريل عليه السلام مرتين , ودعا له النبي صلى الله عليه وسلم مرتين ". قال ابو عيسى: هذا حديث مرسل، ولا نعرف لابي جهضم سماعا من ابن عباس وقد، روى عن عبيد الله بن عبد الله بن عباس، عن ابن عباس , وابو جهضم اسمه: موسى بن سالم.[35]

ابو جہضم، حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ انہوں نے دو مرتبہ جبرائیل کو دیکھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ ان کے لیے دعا فرمائی۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں:۱- یہ حدیث مرسل ہے، ہمیں نہیں معلوم کہ ابو جہضم کا ابن عباس سے سماع ہے یا نہیں ۲ -یہ حدیث عبیداللہ بن عبداللہ بن عباس سے بھی ابن عباس کے واسطہ سے آئی ہے، ۳ -اور ابو جہضم کا نام موسیٰ بن سالم ہے۔

8۔هذا حديث غير محفوظ

غیر محفوظ سے مراد یہ ہے کہ وہ حدیث جس میں ثقہ راوی نے ثقات کی مخالفت کی ہو، تو دوسرے ثقات کی روایت جو راجح ہو اسے محفوظ اور متفرد ثقہ راوی کی روایت کو غیر محفوظ یعنی شاذ کہا جاتا ہے۔[36] شاذ روایت غیر مقبول مردود ہوتی ہے۔ البتہ شاذ کا ادراک اس روایت پر ہوتا ہے جس میں ثقہ راوی متفرد ہو، لیکن وہ دوسرے ثقات کی مخالفت نہ کرے۔ اس لحاظ سے شاذ روایت مقبول ہو گی۔ تعارض اور اختلاف کے وقت "محفوظ" روایت کو ترجیح دی جائے گی۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث میں ہم دیکھ سکتے ہیں۔

---

[35]۔ ترمذی، امام، جامع ترمذی، مناقب کا بیان، دارالسلام ریاض، ۱۹۹۹ء، حدیث:۳۸۲۲، ص:۲/ ۵۴۴

[36]۔ سیوطی، جلال الدین، تدریب الراوی، ص:۱/ ۲۳۲

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ مُوسَى قَالَ: حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ صَالِحٍ الطَّلْحِيُّ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: اغْتَسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِدُخُولِهِ مَكَّةَ بِفَخٍّ هَذَا حَدِيثٌ غَيْرُ مَحْفُوظٍ.

شاذ غیر مقبول کی مثال

حدثنا بشر بن معاذ العقدي، حدثنا عبدالواحد بن زياد، حدثنا الاعمش،عن ابي صالح، عن ابي هريرة، قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " إذا صلى احدكم ركعتي الفجر فليضطجع على يمينه " قال وفي الباب عن عائشة ، قال ابو عيسى حديث ابي هريرة حديث حسن صحيح غريب من هذا الوجه [37] **اس روایت سے عبدالواحد نے الاعمش سے رسول ﷺ کا قول نقل کیاحالانکہ اعمش کے دوسرے تلامذہ سب نبی ﷺ کا فعل بیان کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عبدالواحد کے بارے میں بیان کرتے ہیں۔"**في حديثه من الاعمش وحده مقال "[38] **اگر ضعیف راوی ثقہ کی مخالفت کرے تو اس کی روایت کو منکر اور ثقہ کی روایت کو معروف کہاجائے گا۔**

9۔هذا حديث مضطرب

امام ترمذی جامع ترمذی میں کبھی" هذا حديث مضطرب يا وهذا حديث فيه اضطراب**"فرماتے ہیں۔**

اضطراب کی دو قسمیں ہیں:۱۔الاضطراب في السند[39] **۲:۔**الاضطراب في المتن[40]

اضطراب کی تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ اس حدیث کے طرق مختلفہ میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہ ہو، اگر ایک طرق کو دوسرے پر ترجیح حاصل ہو گی، تو پھر راجح مرجوح میں سے کوئی مضطرب نہیں۔ بلکہ طرق مرجوح کے راوی اگر ثقہ ہیں تو اسے شاذ اور اگر ضعیف ہے تو اسے منکر کہاجائے گا۔ اضطراب فی

37۔ترمذی،امام،جامع ترمذی،الباب اضطجاع بعد ركعتي الفجر،ص:۱/۹۶

38۔عسقلانی،ابن حجر،تقریب التہذیب،مکتبہ رحمانیہ لاہور،۱۳۲۷ھ،ص:۳۶۸

39۔ اضطراب فی السندیہ ہوتا ہے کہ حدیث کے راوی کی سند میں کمی بیشی کریں، کوئی تین اور کوئی چار واسطے بتائے یا ایک ہی راوی کے نام نسب میں تبدیلی کرتے رہیں۔ عثمانی، محمد تقی الدین، فتح الملہم، دارالقلم کراچی، ص:۱/۱۵۹

40۔اضطراب فی متن یہ ہوتا ہے کہ متن حدیث میں تبدیلی یا کمی بیشی ہو۔

السند کے بارے میں تفتیش کرنا محدث کا کام ہے۔ جبکہ فی المتن کی تحقیق کا کام مجتہد کا، اور اضطراب کا حکم یہ ہے کہ مورث ضعیف ہوتا ہے۔

مثال: حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ الزُّهْرِيِّ قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «حِينَ أُسْرِيَ بِي لَقِيتُ مُوسَى – قَالَ فَنَعَتَهُ – فَإِذَا رَجُلٌ ۔هذا حديث مُضْطَرِبٌ[41]

10۔هذا حديث اصح شئی فی هذا الباب واحسن

یہ حدیث اس باب کی احادیث میں سب سے زیادہ صحیح اور بہتر ہے۔ امام ترمذی کے نزدیک بھی اس سے مراد وہی ہے جیسا کہ عام طور پر اصح من ذاک سے ہوتا ہے۔ اگر اس باب کی حدیث صحیح ہے تو یہ حدیث ان تمام احادیث میں سب سے زیادہ صحیح اور بہتر ہے۔ اور اگر اس باب کی حدیث ضعیف ہے تو یہ حدیث زیادہ راجح یعنی کم ضعف والی ہے۔ اور اس طرح یہ حدیث باقی کے مقابلے میں زیادہ صحیح ہے۔[42]

11۔هذا اسناد مشرقی

اسناد مشرقی کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں مذکورہ تمام رواۃ مشرق (بصرہ، کوفہ اور ان کے قریب جوار) سے ہیں، ان میں اہل مدینہ میں سے کوئی نہ ہو۔ مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ جرح میں سے نہیں ہیں۔ صرف یہ بتانا کہ اس کے تمام رواۃ مشرقی تھے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا امام شافعی سے منقول ہے: "کل حديث لا یو جد له اصل فی حديث الحجازيين رواه وللمخالف فی مجال وسيع للكلام"[43]

12۔هذا حديث مفسر

کلام کے سیاق وسباق کے لحاظ سے اس کے تین معنی مراد لئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ مفسر کو اسم فاعل

---

[41]۔ سیوطی، عبد الرحمٰن بن کمال ابو بکر جلال الدین، قوت المغتذی علی جامع الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، ص:۲/ ۷۷۵

[42]۔ عثمانی، محمد تقی، اعلاء السنن، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی، ۱۴۱۸ھ، ص:۱/ ۵۶

[43]۔ گنگوہی، رشید احمد، الکواکب الدری، ص:۱/ ۸۵

(بکسر سین) پڑھا جائے یعنی یہ حدیث کسی آیت یا دوسری حدیث کی تفسیر ہوتی ہے۔ یا اسم مفعول (بفتح سین) پڑھا جائے یعنی کسی اور حدیث سے اس کی تفسیر کی گئی ہو، یا اس سے اصطلاح اصول والا مفسر مراد ہو جو نص کے مقابلے میں ہوتا ہے۔ اس صورت میں بھی بفتح سین پڑھا جائے گا۔[44]

حدثنا بذلك قتيبة حدثنا خالد بن زياد الترمذي عن مقاتل بن حيان عن شهر بن حوشب عن جريرهذا فيه إزالة الشبهة لمن اشتبه عليه الأمر، وهو أن المسح على الخفين كان بعد نزول آية المائدة.

قال رحمه الله تعالى قال: وروى بقية عن إبراهيم بن أدهم عن مقاتل بن حيان عن شهر بن حوشب عن جرير. هذا حديث مفسر[45]

13۔قدذهب بعض اهل الكوفة

امام ترمذی ہر باب میں بیان مذاہب کا التزام فرماتے ہیں اور اس میں یہ جملہ "قد ذہب بعض اہل الکوفہ" بھی استعمال کرتے ہیں۔ نیز امام ترمذی نے اپنی کتاب جامع میں کسی جگہ امام ابو حنیفہ کا نام نہیں لیا، البتہ کتاب العلل کی ایک روایت میں امام ابو حنیفہ کا نام ملتا ہے۔ لیکن وہ روایت بعض نسخوں میں نہیں ہے اور دوسری بات یہ کہ کتاب العلل خود مستقل ایک کتاب ہے۔ لہٰذا یہ کہا جاتا ہے کہ جامع ترمذی میں امام ابو حنیفہ کا نام نہیں اپنی جگہ صحیح ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ جامع ترمذی میں جہاں بھی اہل کوفہ کا لفظ آتا ہے اس سے امام ابو حنیفہ کے پیروکار مراد ہیں۔[46]

ان حضرات کا یہ حکم حکم الکل کے اعتبار سے ہے ورنہ بعض ایسے مقامات ہیں جہاں اہل کوفہ سے حنفیہ کے علاوہ دوسرے حضرات مراد ہیں۔ باقی رہا یہ سوال کہ امام ترمذی امام اعظم کے نام گرامی کو کیوں ذکر نہیں کرتے تو بعض حضرات نے کہا ہے کہ غایت تعصب کی بنا پر یہ طریقہ اختیار کیا۔ لیکن بہت بہتر تاویل یہ ہے کہ امام ترمذی کے شایان شان یہ کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ان تک کسی قابل اعتماد سند سے نہیں پہنچا اس لئے انہوں تصریح نہیں فرمائی۔[47]

44۔ بنوری، محمد یوسف، معارف السنن شرح جامع ترمذی، ایچ، ایم سعید کمپنی کراچی، ۱۴۱۳ھ، ص:۱/۳۳۴

45۔ الراجحي، عبد العزيز بن عبد الله بن عبد الرحمن، شرح جامع ترمذی، الباب مسح على الخفين، ص:۳/۱۰

46۔ مبارک پوری، عبد الرحمان، مقدمہ تحفۃ الاحوذی، دار الفکر الریاض سعودی عرب، ۲۰۰۸ء، ص:۲۰۸

47۔ کشمیری، انور شاہ، مقدمہ فیض الباری، دار الکتب العلیمہ بیروت لبنان، ۲۰۰۵ء، ص:۱/۵۸

14۔ھذا مقارب الحدیث

اگر لفظ مقارب کو بکسر راء(اسم فاعل) پڑھا جائے تو معنی یہ ہو گا:حدیثه یقارب حدیث غیرہ اور اسم مفعول ہونے کی صورت میں معنی یہ ہو گا: حدیثه یقاربه حدیث غیرہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ "ای یقارب حدیثه القبول او الذمن"[48]

دونوں معنی قریب قریب ہیں اور جمہور محدثین کے الفاظ تعدیل میں سے ہیں۔ علامہ سیوطی نے ابن سید کا قول نقل کیا کہ اسم فاعل کی صورت میں یہ الفاظ تعدیل سے ہے اور اسم مفعول کی صورت میں الفاظ تجریح میں سے ہے۔[49] غلام رسول سعیدی کی تحقیق یہ ہے کہ مقارب الحدیث ہر حال میں جرح کے الفاظ میں آتی ہے۔[50]

مثال

حَدَّثَنَا هَنَّادٌ، حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ هَارُونَ، عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ عَرْضِهَا وَطُولِهَا، هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَسَمِعْتُ مُحَمَّدَ بْنَ إِسْمَاعِيلَ، يَقُولُ عُمَرُ بْنُ هَارُونَ: مُقَارِبُ الْحَدِيثِ[51] عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ڈاڑھی لمبائی اور چوڑائی سے لیا کرتے تھے۔ امام ترمذی کہتے ہیں: ۱- یہ حدیث غریب ہے، ۲- میں نے محمد بن اسماعیل بخاری کو کہتے ہوئے سنا ہے: عمر بن ہارون مقارب الحدیث ہیں۔ حارث بن وجیہ راوی کے بارے میں۔

15۔شیخ لیس بذاك

امام ترمذی نے بعض رواۃ کے بارے یہ لفظ استعمال کیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ یہ عمر دراز اور بوڑھا راوی

48۔ گنگوہی، رشید احمد، الکواکب الدری، ص:۱/ ۳۵

49۔ سیوطی، جلال الدین، تدریب الراوی، مکتبۃ الکوثر الریاض، ۱۴۱۴ھ، ص:۱/ ۳۴۹

50۔ سعیدی، غلام رسول، تذکرۃ المحدثین، دکن پریس لاہور، ۱۹۷۷ء، ص:۲۴۶

51۔ ترمذی، امام، جامع ترمذی، باب مَا جَاءَ فِي الأَخْذِ مِنَ اللِّحْيَةِ ، حدیث:۲۷۶۲، ص:۳۱۲

ہے اس کے اوپر نسیان کا غلبہ ہے اور اس قابل نہیں کہ اس کی روایت پر اعتماد کیا جائے۔اس راوی کی حدیث قوی نہیں بلکہ ضعیف ہے۔ای لیس بذالک المقام الذی یو ثق یعنی اس کی روایت غیر ثقہ ہے۔[52]

مثال

حدثنا نصربن علي،حدثنا الحارث بن وجيه، قال: حدثنا مالك بن دينار، عن محمد بن سيرين، عن ابي هريرة، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: تحت كل شعرة جنابة فاغسلوا الشعر وانقوا البشر"وفي الباب عن علي، وانس قال ابو عيسى حديث الحارث بن وجيه غريب، لا نعرفه إلا من حديثه، وهو شيخ ليس بذاك[53] ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:ہر بال کے نیچے جنابت کا اثر ہو تا ہے، اس لئے بالوں کو اچھی طرح دھویا کرو اور کھال کو اچھی طرح مل کر صاف کرو۔امام ترمذی کہتے ہیں اس باب میں علی اور انس رضی اللہ عنہما سے بھی احادیث آئی ہیں۔حارث بن وجیہ کی حدیث غریب ہے،اسے ہم صرف انہیں کی روایت سے جانتے ہیں اور وہ قوی نہیں ہے۔

16۔اسناد ليس بذاك

امام ترمذی بعض راویوں کے بارے میں کہتے ہیں:"**إسناده ليس بذاك**" اس کا معنی یہ ہے کہ اس حدیث کی سند اس درجہ قوی نہیں جیسی ہونی چاہئے بلکہ اس میں کچھ ضعف پایا جاتا ہے۔

مثال

عن عبد الله بن عامر بن ربيعة، عن ابيه، قال "كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في سفره في ليلة مظلمة ، فلم ندر اين القبلة فصلى كل رجل منا على حياله ، فلما اصبحنا ذكرنا ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم ، فنزلت : فاينما تولوا فثم وجه الله سورة البقرة آية 115 " قال ابو عيسى هذا حديث ليس إسناده بذاك ، لا نعرفه إلا من حديث اشعث السمان ابي الربيع ، عن عاصم بن عبيد الله ،

---

[52]۔ترمذی اس اصطلاح پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ۔شیخ الفاظ تعدیل میں سے ہے۔اور "لیس بذاک "الفاظ جرح میں سے ہے۔یہ ترکیب تضاد کو مستلزم کرتی ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ وہ شخص عدالت کے لحاظ سے کامل ہے اور حافظہ کے لحاظ سے ناقص ہے۔

[53]۔ترمذی، امام، جامع ترمذی، کتاب الطھارۃ، حدیث:۱۰۶، ص:۹۵

واشعث يضعف في الحديث[54]عبد اللہ عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ایک انتہائی اندھیری رات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، کوئی نہ جان سکا کہ قبلہ کدھر ہے۔ چنانچہ جو جس رخ پر تھا اس نے اسی رخ پر نماز پڑھ لی، جب صبح ہوئی تو ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تو اس وقت یہ آیت فأينما تولوا فثم وجه الله "تم جدھر بھی منہ کرو ادھر اللہ کا منہ ہے" البقرہ:۱۱۵ نازل ہوئی۔ امام ترمذی کہتے ہیں: اس حدیث کی سند کچھ زیادہ اچھی نہیں ہے۔ ہم اسے صرف اشعث بن سمان ہی کی روایت سے جانتے ہیں، اور اشعث بن سعید ابو الربیع سمان حدیث کے معاملے میں ضعیف گردانے جاتے ہیں۔

17۔هذا حديث جيد

امام ترمذی جید کے ساتھ حدیث کو اس وقت موصوف کرتے ہیں، جب حدیث حسن کے درجہ سے ترقی کر لے مگر صحیح تک نہ پہنچ سکے ہے۔ جیسا کہ: کتاب الطب کے اندر ایک حدیث کے بارے میں کہا ہے: "هذا حديث جيد حسن" أي: هذا حديث صحيح حسن۔[55] اس کا معنی یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے البتہ بعض لوگوں نے صحیح اور جید کے مابین تھوڑا سا فرق کیا ہے وہ یہ کہ جو حدیث حسن لذاتہ سے اوپر ہو لیکن صحیح کے درجہ سے کچھ کم ہو تو اس کو جید کہہ دیتے ہیں۔

18۔هذا اصح من ذلك

امام ترمذی بعض جگہ دو حدیث یا دو قول نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: "هذا أصح من ذلك" یعنی یہ دونوں حدیثیں یا دونوں قول صحیح ہیں البتہ یہ بعد والی حدیث یا قول پہلے مذکور حدیث یا قول سے زیادہ صحیح ہے۔ اس قسم کے مقامات پر اصح عموماً ارجح کے معانی میں آتا ہے۔ یعنی دونوں حسن ہیں۔[56]

19۔ كراهيةوكراهة

امام ترمذی کے یہ چند مخصوص الفاظ ہیں ان دونوں کو بکثرت استعمال فرماتے ہیں۔ چنانچہ باب كراهية الاستنجاء باليمين عام طور پر کراہتہ سے مکروہ تنزیہی وخلاف اولیٰ ہی مراد لیا جاتا ہے۔ لیکن امام ترمذی نے کبھی

---

[54]۔ ترمذی، امام، جامع ترمذی، کتاب الطھارۃ، حدیث:۳۴۵، ص:۵/۳۱۲

[55]۔ حمش، عداب محمود، الامام الترمذي ومنهجه في كتابه الجامع، دار الفتح للدراسات والنشر، ۲۰۰۳ء، ص:۱/۴۱۹

[56]۔ سعیدی، غلام رسول، تذکرۃ المحدثین، ص:۲۴۸

اس سے خاص اور کبھی عام مراد لیا ہے۔ جو تحریمی و تنزیہی دونوں کو شامل کیا جاتا ہے۔ جیسے ترجمہ ہے۔ باب ماجاء فی کراھیۃ الااقعاء بین السجدتین یہاں اقعاء کی دونوں صورتیں مراد لی ہیں۔ حالانکہ اقعاء کی ایک صورت تحریمی کی اور دوسری تنزیہی کی ہے۔ اور کبھی کراہت سے کراہت تحریمی ہی مراد لی جاتی ہے۔ باب ماجاء کراھیۃ أن یبادرالامام فی الرکوع والسجود امام سے مسابقت الاتقان حرام ہے۔ اور کبھی کراہتِ تنزیہی کو ہی مراد لیا جاتا ہے، جیسے باب الاذان بغیر اجر یہاں کراہتِ تنزیہی مراد لیا گیا ہے۔ کیونکہ ان دونوں میں تفریق سلف کے نزدیک نہیں تھیں۔"اور عام لفظ کراہت سے مکروہ تحریمی ہی مراد لیا جاتا ہے۔ ''المتقدمون یطلقون الکراهیة ویریدون الکراهة التحریمی''[57] البتہ دونوں میں تفریق کی گئی ہے ۔متاخرین فقہاء نے عوام کی سہولت کے پیش نظر قائم کی ہے۔ علامہ عبدالرحمان مبارکپوری نے گفتگو کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ متاخرین نے مکروہ تنزیہی و خلاف اولیٰ کی اصطلاح ایجاد کی ہے۔ اور اب لفظ کراہت سے مکروہ تنزیہی مراد لیا جاتا ہے۔[58]

مذکورہ بالا امام ترمذی کی اصطلاحات جاننے سے نہ صرف امام ترمذی کے ہاں حدیث کا درجہ جاننے اور مختلف طرق کی تفہیم حاصل ہوتی ہے بلکہ اس سے احادیث سے استنباط کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

نتائج البحث

امام ترمذی نے اپنی کتاب جامع ترمذی میں جو اصطلاحات استعمال کیں ہیں۔ یہ اصطلاحات عام طور پر علم جرح وتعدیل میں استعمال ہوتی ہیں اور ایسی اصطلاحات پہلی بار امام ترمذی نے اپنی کتاب میں لکھیں۔ ان اصطلاحات یعنی صحیح، حسن اور ضعیف وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے۔ جس سے حدیث کی صحت و قوتِ سند کا قاری کو اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس مقالے کے چند نتائج درجہ ذیل ذکر کئے جاتے ہیں۔

1. یہ اصطلاحات یعنی صحیح، حسن اور ضعیف وغیرہ امام ترمذی نے سب سے پہلے اپنی کتاب میں استعمال کیں۔
2. حدیثِ حسن کی اصطلاح سے مراد سند کا حسن ہونا ہے۔
3. ھذا حدیث حسن صحیح سے مراد وہ حدیث جو باعتبار وصف کے ایک قوم کے نزدیک وہ حسن اور ایک قوم کے نزدیک صحیح ہوتی ہے۔ تو ان دونوں قوموں کے حکم کو اکٹھا کرنے کے لیے حسن صحیح کہا گیا ہے۔

---

[57]۔ قاری، ملا علی، عمدۃ القاری، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۲۰۰۱ء، ص:۳/۳۸۷

[58]۔ مبارک پوری، عبدالرحمان، تحفہ الاحوذی، ص:۲۰۵

4. ھذا حدیث حسن غریب میں حسن غریب کا اکٹھا حکم لگانے سے مراد غریب الاسناد نہ کہ متن غریب ہے۔
5. امام ترمذی جب کسی حدیث پر حسن، صحیح اور غریب تینوں کا حکم لگاتے ہیں، تو اس میں صحیح سے مراد وہ ہے جو جمہور کے نزدیک صحیح ہے اور حسن سے مراد وہی ہے جو جمہور کے نزدیک حسن ہے اور غریب سے بھی مراد وہی ہے جو جمہور کے نزدیک غریب کی ہے۔ تاہم ان تینوں اوصاف کو ایک ہی حدیث کے حکم میں جمع کرنے کا مفہوم سمجھنے کے لیے تمام توجیہات کا خیال رکھنا ہوگا۔
6. امام ترمذی نے مرسل کو منقطع کے معنی میں بکثرت استعمال کیا ہے۔
7. اسناد مشرقی کا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں مذکورہ تمام رواۃ مشرق (بصرہ، کوفہ اور ان کے قریب جوار) سے ہیں، ان میں اہل مدینہ میں سے کوئی نہ ہو۔
8. امام ترمذی نے بعض رواۃ کے بارے شیخ لیس بذاک لفظ استعمال کیا ہے اس کا معنی یہ ہے کہ یہ عمر دراز اور بوڑھا راوی ہے اس کے اوپر نسیان کا غلبہ ہے اور اس قابل نہیں کہ اس کی روایت پر اعتماد کیا جائے۔
9. امام ترمذی جید کے ساتھ حدیث کو اس وقت موصوف کرتے ہیں، جب حدیث حسن کے درجہ سے ترقی کرلے مگر صحیح تک نہ پہنچ سکے۔
10. امام ترمذی كراهية وكراهة کے یہ مخصوص الفاظ بکثرت استعمال فرماتے ہیں۔ کبھی کراہت سے کراہت تحریمی مراد لی جاتی ہے اور کبھی کراہتِ تنزیہی کو مراد لیا جاتا ہے۔